اسوۂ ابراہیمی

سید جلال الدین عمری

مدیر محترم مولانا سید جلال الدین عمری مدظلہ العالی ہر سال مسجد اشاعت اسلام (مرکز جماعت اسلامی ہند، نئی دہلی) میں عیدین کے خطبے دیتے ہیں، جنھیں سننے کے لیے لوگ قریب اور دور سے بہت بڑی تعداد میں تشریف لاتے ہیں۔ گزشتہ سالوں میں عید الاضحیٰ کے موقع پر دیے گئے بعض خطبات کے منتخب حصے یہاں مرتب کر کے پیش کیے جا رہے ہیں۔ (معاون مدیر)

قرآن مجید میں پیغمبروں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد سب سے زیادہ تذکرہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آیا ہے۔ مختلف پہلوؤں سے ان کی بڑائی اور عظمت، ان کی دعوت و تبلیغ اور ان کے دلائل، ان کی سعی و جہد اور ان کی قربانیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان کی حیاتِ طیبہ کے چار پہلوؤں کو قرآن نے خوب نمایاں کیا ہے۔

۱۔ حنیفیت

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک خصوصیت قرآن نے یہ بیان کی ہے کہ وہ توحید خالص کے علم بردار تھے۔ ہر شائبۂ شرک سے ان کا دامن پاک تھا۔ وہ ایک ایسے خاندان میں پیدا ہوئے جس میں ان کا باپ خود شرک کا علم بردار اور پروہت تھا اور پوری ریاست اور پورا علاقہ شرک میں مبتلا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے باپ اور اپنی قوم کو مختلف پہلوؤں سے سمجھایا کہ اللہ تعالیٰ اس دنیا کو تنہا چلانے والا ہے، اس کے ساتھ کوئی

شریک نہیں ہے۔ اگر آدمی اس کے ساتھ شرک کرتا ہے تو اس کی کوئی بنیاد نہیں۔ ایک رات حضرت ابراہیمؑ نے ایک ستارہ دیکھا۔ ستارے تو وہ ہمیشہ دیکھتے ہی تھے، لیکن غالباً وہ ایسا ستارہ تھا جس کی ان کی قوم پرستش کرتی تھی۔ حضرت ابراہیمؑ کی قوم ستارہ پرست تھی اور اس کے نام سے اس نے بت بھی بنا رکھے تھے۔ قرآن کہتا ہے کہ انھوں نے ستارہ دیکھا تو اپنی قوم سے کہا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہی میرا رب ہے۔ ظاہر ہے، حضرت ابراہیمؑ کبھی شرک میں مبتلا نہیں ہوئے، لیکن مشرک قوم کو سمجھانے کے لیے انھوں نے کہا کہ تم جس کی پوجا کرتے ہو، شاید وہی میرا بھی رب ہے، پھر جب ستارہ ڈوب گیا تو کہا: لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ۔ (میں ڈوبنے والوں سے محبت نہیں کرتا) یعنی یہ خدا نہیں ہوسکتا اور میں اس کی پرستش نہیں کرسکتا۔ اس لیے کہ خدا تو وہ ہے جو اس کو روشنی عطا کرتا ہے اور اس کی روشنی ختم بھی کر دیتا ہے۔ خدا تو وہ ہوگا جس پر کسی کا حکم نہ چلے، یہاں تو صاف معلوم ہو رہا ہے کہ اس پر کسی دوسرے کا حکم چل رہا ہے، پھر وہ کیسے خدا ہوسکتا ہے؟ اور کیسے میں اپنا دل اس سے جوڑ سکتا ہوں؟ پھر اس کے بعد کسی وقت انھوں نے چاند کی طرف اشارہ کیا۔ ہوسکتا ہے وہ چودھویں رات کا چاند رہا ہو، جیسا کہ بعض مفسرین نے لکھا ہے۔ انھوں نے کہا کہ یہ میرا رب ہے۔ یہ زمین کو روشن کر رہا ہے، کوئی ستارہ اس کا مقابلہ نہیں کر پاتا۔ یہ ہے میرا رب۔ مگر جب وہ بھی غروب ہوگیا تو انھوں نے کہا کہ اگر میرا رب مجھے سیدھا راستہ نہ دکھائے تو میں بھٹک جاؤں گا۔ میرا رب تو کوئی اور ہے۔ میں چاند کو رب نہیں مان سکتا۔ اس لیے کہ کس شان کے ساتھ یہ طلوع ہوا، مگر کچھ دیر کے بعد غروب ہوگیا۔ پھر بعد میں کسی وقت انھوں نے اپنی قوم کو سمجھانا چاہا تو سورج کو دیکھ کر کہا کہ یہ ہے خدا۔ سورج دیوتا کی وہاں پہلے سے پرستش ہو رہی تھی۔ انھوں نے کہا: یہ سب سے بڑا خدا ہے، اس کی روشنی کے سامنے ہر روشنی مدھم پڑ جاتی ہے۔ مگر جب شام کو وہ بھی غروب ہوگیا تو انھوں نے کہا کہ اس پر بھی کسی کا حکم چل رہا ہے، یہ بھی کسی کے حکم کا پابند ہے۔ اگرچہ دیکھنے میں معلوم ہوتا ہے کہ وہ ساری دنیا کو روشن کر رہا ہے، ساری دنیا اس سے فیض اٹھا رہی ہے، واقعی کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی اور اس کے سامنے

سب کی روشنی ختم ہوجاتی ہے، لیکن حقیقت میں یہ بھی کسی کے حکم کا پابند ہے، اس کے بعد انھوں نے کہا:

إِنِّـيْ وَجَّهْـتُ وَجْهِـيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ حَنِيْفاً وَمَا أَنَاْ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (الانعام:۷۹)	میں نے اپنا رخ اس ذات کی طرف کرلیا ہے جو زمین و آسمان کی خالق ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

یہ ستارے اور سیارے جن کو تم خدا سمجھ رہے ہو، ان کا بھی خالق اللہ ہی ہے۔ وہی زمین اور آسمانوں کا بھی خالق ہے، اس کی طرف میں متوجہ ہوگیا ہوں۔ اگر کوئی شخص کسی اور کو خدا مانتا اور اس کی عبادت کرتا ہے تو غلط کرتا ہے، اس لیے میرا رخ تو صرف اس کی طرف ہوگیا ہے اور اس معاملے میں ، میں بالکل یکسو ہوں۔ اس معاملے میں میرے اندر کوئی کمزوری نہ دیکھوگے کہ کبھی کسی اور کو خدا مان لوں، یا کسی اور کی محبت میرے دل میں گھر کرجائے، یا کسی دوسرے کی پرستش کرنے لگوں۔ نہیں۔ میں بالکل حنیف ہوں، یکسو ہوں، جب کہ تم سب لوگ شرک میں مبتلا ہو۔ تم نے ایک خدا کی جگہ ہزاروں خدا بنا رکھے ہیں، اس لیے میں تم سے الگ ہورہا ہوں۔ جن کو تم پوجتے ہو ان سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ ذرا سوچیے ،ایک ایسی قوم میں جو ستارہ پرست ہے، ستاروں، سیاروں، چاند اور سورج کو خدا مان رہی ہے، ان کے بُت بنا رہی ہے اور ان کی پوجا کررہی ہے، ایک شخص تن تنہا اس کے درمیان کھڑے ہوکر اعلان کررہا ہے کہ یہ ستارے، یہ چاند، یہ سورج، کیا یہ سب خدا ہو سکتے ہیں؟ ان پر تو کسی اور کی حکومت ہے! میں تمھارے خداؤں سے براءت کا اعلان کرتا ہوں۔ قرآن کہتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ شرک سے بے زار اور توحید کے علم بردار تھے۔ ہر جگہ انھوں نے کہا کہ دیکھو، خدا ایک ہی ہے، اسی کی عبادت ہونی چاہیے، اس کے علاوہ دنیا میں کوئی ایسی ہستی نہیں ہے جس کی آدمی عبادت کرے، جس کے آگے سر جھکائے اور جسے خدائی کا مقام عطا کرے۔

۲- سراپا اطاعت

دوسری خصوصیت حضرت ابراہیمؑ کی یہ بتائی گئی کہ وہ اللہ کے فرماں بردار تھے، وہ خدا کو صرف مان ہی نہیں رہے تھے، بلکہ اس کے آگے جھک گئے تھے اور اس کے ہر حکم کو ماننے کے لیے تیار ہو گئے تھے۔ قرآن ان کی یہ خصوصیت بتاتا ہے کہ وہ صرف زبانی دعویٰ نہیں کرتے تھے کہ میں مشرک نہیں ہوں، موحّد ہوں، خدا کو ایک مانتا ہوں، بلکہ اس کے ہر حکم پر جھکنے والے تھے، کہا:

إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (البقرۃ:۱۳۱)

اس کے رب نے اس سے کہا: جھک جاؤ، چنانچہ (بغیر کسی ہچکچاہٹ اور تردد کے) اس نے کہا کہ: میں جھک گیا اللہ رب العالمین کے سامنے۔

یہ ہے دین کی روح اور اس کی جان کہ اللہ کے حکم کے سامنے آدمی اپنا سر جھکا دے اور اپنی پیشانی ٹیک دے۔ اس کا رب جس کام کا حکم دے اس کے کرنے پر آمادہ ہو جائے اور جس چیز سے منع کرے اس سے باز رہے۔

اب آگے دیکھیے کہ اللہ کے حکم سے خانۂ کعبہ کی تعمیر ہو رہی ہے، حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ اس کی تعمیر میں لگے ہوئے ہیں۔ بہت بڑا کام انجام پا رہا ہے۔ ساری دنیا کے لیے یہ توحید کا مرکز بننے والا ہے۔ اس تصور ہی سے آدمی کا سر اونچا ہو جائے گا کہ خدا نے ہمیں کتنا بلند مقام عطا کیا ہے کہ ہم جس گھر کی تعمیر کر رہے ہیں وہ ساری دنیا کے لیے توحید کا مرکز بن جائے گا! لیکن تعمیر کرنے والوں میں غرور اور بڑائی کا شائبہ تک نہیں ہے۔ وہ یہ دعا کر رہے ہیں:

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ . رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ.

(البقرۃ:۱۲۷-۱۲۸)

اے اللہ ہماری یہ دعا قبول فرما لے تو سننے اور جاننے والا ہے۔ اے ہمارے رب ہم دونوں کو اپنا فرماں بردار بنا لے اور ہماری جو اولاد آگے آئے، اس میں بھی ایک امت مسلمہ برپا کرو گے۔

یہ فرماں برداری کیا ہے؟ یہی اسلام ہے۔ حضرت ابراہیمؑ اللہ کے حکم سے بیٹے کے حلق پر چھری پھیرنے کے لیے تیار ہوگئے تو اس موقع پر قرآن میں ان کے لیے جو الفاظ استعمال کیے گئے وہ یہ تھے: "فَلَمَّا اَسۡلَمَا وَتَلَّهٗ لِلۡجَبِيۡنِ" (باپ بیٹے جب جھک گئے اللہ کے حکم کے سامنے اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا) باپ نے کہا: بیٹے! مجھے اللہ کی طرف سے یہ اشارہ مل رہا ہے کہ اس کی راہ میں تمھیں ذبح کردوں، بیٹے نے کہا: اللہ کا حکم ہے تو اس پر عمل کیجیے، میں گھبراؤں گا نہیں، اللہ کا حکم ہے تو ٹھیک ہے، چنانچہ باپ بیٹے دونوں تیار ہوگئے۔ باپ کا چھری پھیرنے کے لیے تیار ہوجانا اور بیٹے کا پیشانی کے بل لیٹ جانا، قرآن نے اس کو 'اَسۡلَمَا' کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، یعنی دونوں ہمارے حکم کے آگے جھک گئے۔ یہ ہے اسلام!

۳- دعوتی جدوجہد

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تیسری خصوصیت ان کی دعوتی تگ ودو اور جدّ وجہد ہے۔ نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد انھوں نے اپنے باپ کو بڑی دل سوزی، محبت اور ملائمت کے ساتھ سمجھانے اور راہ حق پر لانے کی کوشش کی۔ اپنی قوم کے سامنے بھی بار بار مختلف انداز سے دعوتِ توحید پیش کی اور شرک کی غیر معقولیت واضح کی۔ وہ عراق سے شام، فلسطین، حجاز جہاں بھی پہنچے، اسی دعوت کو لے کر پہنچے۔ قرآن نے مختلف انبیاء کی جو دعوتی سرگزشت بیان کی ہے ان میں حضرت ابراہیمؑ کا تذکرہ بہت نمایاں ہے۔ اس میں راہِ دعوت میں کام کرنے والوں کے لیے عبرت ونصیحت کے بہت سے پہلو ہیں۔

۴- قربانی

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی چوتھی خصوصیت اپنے مقصد کے لیے ان کی قربانیاں ہیں۔ ان کے نام کے ساتھ قربانی کا تصور ابھرتا ہے۔ ان کی زندگی سراسر قربانی کی زندگی تھی۔ انھوں نے اللہ کے لیے قربانی دی تھی۔ قربانی یوں تو بہت سے لوگ دیتے ہیں، بعض محض اپنے فائدے کے لیے اور بعض بیوی بچوں کے فائدے کے لیے، اس

کے علاوہ دیگر فائدے بھی پیشِ نظر ہوتے ہیں، لیکن حضرت ابراہیمؑ نے جو قربانی دی تھی وہ صرف اللہ کے لیے اور اس کے دین کے لیے تھی، اس کے علاوہ کوئی اور مقصد ان کے پیشِ نظر نہیں تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جس قوم میں پیدا ہوئے وہ ستارہ پرست قوم تھی، وہ سورج، چاند اور ستاروں سیاروں کی پرستش کرتی تھی۔ اس نے ان کے بت بنا رکھے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جس گھرانے میں پیدا ہوئے، اس میں ان کا باپ اس وقت کا پنڈت اور مہنت تھا۔ وہ چاہتے تو بڑے اطمینان کی زندگی گزار سکتے تھے، لیکن انھوں نے باپ اور قوم کی مخالفت مول لی اور کہا کہ جن چیزوں کو تم لوگوں نے خدا بنا رکھا ہے وہ حقیقت میں خدا نہیں ہیں، خدا تو کوئی اور ہے۔ گھر کی مخالفت آسان نہیں ہے۔ قرآن مجید نے تفصیل سے بتایا ہے کہ کس بات پر ان کے باپ سے ان کی مخالفت ہوئی تھی۔ انھوں نے باپ سے کہا تھا:

يٰاَبَتِ اِنِّىْ قَدْ جَاءَنِىْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَـاْتِكَ فَـاتَّبِـعْـنِىْٓ اَهْدِكَ صِرَاطـاً سَوِيًّاً۔ (مریم:۴۳)

ابا جان! جو علم میرے پاس آیا ہے وہ آپ کے پاس نہیں ہے آپ میرے پیچھے چلیں، میں آپ کو سیدھا راستہ دکھاؤں گا۔

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا: تم لوگ یہ کس کی پوجا کر رہے ہو؟ میرا راستہ دوسرا ہے۔ تمھارے عقیدے، تمھارے مذہب اور تمھارے طریقۂ عبادت سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے، اس لیے کہ تم شرک میں مبتلا ہو، جب کہ میں توحید کا علم بردار ہوں:

اِنِّـىْ وَجَّهْـتُ وَجْهِـىَ لِلَّذِىْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفاً وَّمَا اَنَاْ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (الانعام:۷۹)

میں سب سے کٹ کر اس ذات کی طرف متوجہ ہو گیا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس اعلان سے قوم کی تیوریاں چڑھ گئیں۔ اس

نے کہا: ابراہیمؑ کو یہ اعلان کرنے کی جرأت کیسے ہوئی؟ اس کی سزا یہ ہے کہ الاؤ تیار کرو، آگ دہکاؤ اور اس میں ڈال کر اسے زندہ جلا ڈالو۔ وہ انھیں قتل بھی کر سکتے تھے، سنگ سار بھی کر سکتے تھے، لیکن انھوں نے سوچا کہ اسے ایسی سزا دو کہ بعد کے لوگوں کے لیے عبرت بن جائے، چنانچہ یہی ہوا، آگ دہکائی گئی اور اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پھینک دیا گیا۔ لیکن اس وقت اللہ کی شان کریمی جوش میں آئی اور آگ ٹھنڈی ہو گئی:

قُلْنَا يٰنَارُ كُونِىْ بَرْداً وَّسَلاماً عَلَى إِبْرَاهِيمَ. وَأَرَادُوا بِهِ كَيْداً فَجَعَلْنٰهُمُ الْأَخْسَرِيْنَ (الانبیاء:۶۹-۷۰)

ہم نے کہا: اے آگ! ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی بن جا ابراہیم کے لیے۔ انھوں نے اس کے خلاف خفیہ تدبیر کی، لیکن ہم نے انہیں نیچا دکھا دیا۔

دشمنوں کی ساری تدبیریں دھری کی دھری رہ گئیں۔ وہ ناکام و مراد رہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے بچالیا، اس لیے کہ ان سے ابھی اور کام لینے تھے۔ اب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وطن سے ہجرت کا ارادہ کرلیا۔ انھوں نے کہا کہ اب میں یہاں سے جارہا ہوں۔ اللہ مجھے جہاں پہنچانا چاہے گا، پہنچائے گا۔ اس موقع پر وہ دعا کرتے ہیں:

رَبِّ هَبْ لِىْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ (الصّٰفٰت:۱۰۰)

اے اللہ! مجھے صالح اولاد دے۔

آدمی اولاد کے لیے دعا کرتا ہی ہے۔ جن کی اولاد نہیں ہوتی وہ رات دن دعائیں کرتے ہیں، لیکن حضرت ابراہیمؑ کی دعا بس یہی نہیں تھی کہ اے اللہ! مجھے اولاد دے، بلکہ انھوں نے صالح اولاد کی دعا کی۔ اس لیے کہ اگر اولاد صالح نہیں تو بے کار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو شرفِ قبولیت بخشا۔ فرمایا:

فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلَامٍ حَلِيْمٍ (الصّٰفٰت:۱۰۱)

ہم نے اسے ایک بردبار لڑکے کی بشارت دی۔

یہ بچہ بڑا ہوا اور دوڑ دھوپ کے قابل ہوا۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام خواب دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے اس جگر گوشے کو ذبح کر رہے ہیں۔ اس وقت ان کے ذہن میں یہ بات نہیں آئی کہ ارے خواب ہی تو ہے، اس کا کیا اعتبار؟ آدمی سوچ بھی نہیں سکتا

کہ وہ اپنی اولاد کو ذبح کرسکتا ہے۔لیکن حضرت ابراہیمؑ نے خواب کو اشارۂ الٰہی سمجھا۔ انھوں نے بیٹے سے کہا: بیٹے! میں خواب میں دیکھ رہا ہوں کہ تم کو ذبح کررہا ہوں، تمھاری رائے کیا ہے؟ مجھے کیا کرنا چاہیے؟ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام جواب دیتے ہیں:

یٰاَبَتِ افۡعَلۡ مَا تُؤۡمَرُ سَتَجِدُنِیۡۤ اِنۡ شَاءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیۡنَ (الصّٰفٰت:۱۰۲)	ابّا جان! آپ کو جو حکم دیا جارہا ہے اسے کرگزریے۔ آپ ان شاء اللہ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔

اب باپ بیٹے دونوں اللہ کے حکم پر جھک گئے اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بَل لٹادیا۔ اس پر اللہ نے کہا: تم نے اپنا خواب سچ کر دکھایا۔ اب اس کے عوض ایک مینڈھا ذبح کردو۔ کہا جاتا ہے کہ مینڈھا جنت سے آیا تھا، یا اسی جنگل میں اچانک انھیں مل گیا تھا۔ کچھ بھی ہو، بہرحال پہلے سے وہاں کوئی مینڈھا نہیں تھا، آزمائش پوری ہونے کے بعد ایک مینڈھا فراہم کردیا گیا اور کہا گیا کہ اسے ذبح کردو اور اسی جذبہ سے ذبح کرو کہ حکم ہوگا تو بیٹے کے گلے پر چُھری پھیر دوگے۔ قرآن نے کہا:

وَتَرَکۡنَا عَلَیۡہِ فِیۡ الۡاٰخِرِیۡنَ (الصّٰفٰت:۱۰۸)	یہ سنت ہم نے بعد میں جاری کردی۔

قرآن نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں دوسری جگہ کہا ہے:

وَاِذِ ابۡتَلٰۤی اِبۡرٰہٖمَ رَبُّہٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّہُنَّ قَالَ اِنِّیۡ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (البقرۃ:۱۲۴)	ابراہیمؑ کو اس کے رب نے بعض باتوں میں آزمایا (امتحان لیا)، اس پر وہ پورا اُترا تو اُس کے رب نے کہا: ہم تمھیں دنیا کے لیے امام بنارہے ہیں۔

یعنی ہم تمھیں دنیا کے لیے نمونہ بنارہے ہیں۔ دنیا دیکھے گی کہ دین کے لیے کیا کیا تکلیفیں برداشت کی جاسکتی ہیں؟ کیا کیا قربانیاں دی جاسکتی ہیں؟ گھر کی، وطن کی، اولاد کی، بیٹے کو ذبح کرنے کی۔ اگر کوئی شخص دیکھنا چاہے تو دیکھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو۔ وہ دینی لحاظ سے امام تھے اور پھر ان کی ذرّیت میں دنیا کا اقتدار بھی آیا۔

اللہ نے ان کی اولاد میں پیغمبروں کا سلسلہ چلایا، حضرت اسحٰقؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت یوسفؑ اور خدا جانے کتنے پیغمبر آئے۔ اس کے بعد حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ آئے، پھر آخر میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ یہ انعام آپ کو دیا گیا کہ دنیا کے لیے آپ کو نمونہ بنادیا گیا۔

معلوم ہوا کہ دنیا میں آدمی قربانیوں سے امام بنتا ہے، وہ شخص دنیا کا امام، قائد اور لیڈر رہے جو دین کے لیے قربانی دے، کسی اور مقصد سے نہیں، صرف اللہ کے دین کے لیے۔ وہ دنیا کو دکھادے کہ اللہ کے دین کے لیے کس کس چیز کی قربانی دی جاسکتی ہے؟ جان بھی دی جاسکتی ہے، آگ کے دریا سے بھی گزرا جاسکتا ہے، اولاد بھی قربان کی جاسکتی ہے، وطن بھی چھوڑا جاسکتا ہے، غرض ہر چیز کی قربانی دی جاسکتی ہے، تب ہی امامت کا درجہ حاصل ہوسکتا ہے۔ ایسے ہی امام خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ آپؐ کو ساری دنیا کی امامت دی گئی اور اُن ساری آزمائشوں سے آپ کو گزارا گیا جس کا آدمی تصور کرسکتا ہے۔ ایک موقع پر آپؐ نے فرمایا:

لقد اوذیت فی اللہ لم یؤذ احد.[۱] مجھے دین کے راستے میں اتنی تکلیفیں پہنچیں کہ کسی دوسرے کو نہیں پہنچی ہوں گی۔

اس کے بعد کہا گیا کہ آپؐ دنیا کے قائد اور رہ نما ہیں، اُسوہ اور نمونہ ہیں۔ دنیا آپؐ کے ذریعہ دیکھ سکتی ہے کہ اللہ کے دین پر کس طرح عمل ہوتا ہے اور اس کے لیے کس طرح قربانیاں دی جاتی ہیں۔ اس کے نتیجہ میں امتِ مسلمہ کھڑی ہوئی۔ اس نے بھی وہ تمام قربانیاں دیں جن کی ضرورت دین کو پیش آئی، جان کی، مال کی، وطن کی، اور دیگر قربانیاں۔ اس کے بعد اس سے کہا گیا کہ تم دنیا کے امام ہو:

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران: ۱۱۰) تم بہترین امت ہو، تمھیں لوگوں کی رہ نمائی کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

جب تک یہ امت اللہ کے دین کے لیے قربانیاں دیتی رہی وہ دنیا میں غالب

---

[۱] جامع ترمذی، ابواب صفۃ القیامۃ، ۲۴۷۲

رہی، لیکن جب سے اس نے دین کے لیے قربانی دینا چھوڑ دیا وہ ذلت اور پستی میں مبتلا ہوگئی۔ اللہ نے کہا کہ اب یہ امت امامت کی اہل نہیں ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ اے اللہ! تو مجھے امام بنا رہا ہے، میری اولاد کو بھی امام بنا۔ اس وقت بھی اللہ نے فرمایا تھا:

لاَ یَنَالُ عَھْدِیْ الظّٰلِمِیْنَ (البقرۃ:۱۲۴) میرا وعدہ ظالموں سے نہیں ہے۔

اس امت کو قیادت کا مقام دیا گیا تھا اور اس کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا:

انتم شهداء الله فی الأرض [۱] تم زمین پر اللہ کے گواہ ہو۔

یعنی جسے تم کہو گے کہ یہ راہِ راست پر چل رہا ہے، یقیناً وہ راہِ راست پر چل رہا ہے اور جسے تم کہو گے کہ وہ غلط راستے پر چل رہا ہے تو یقیناً وہ غلط راستے پر ہے۔ تم جس کے بارے میں جو فیصلہ کرو گے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہوگا۔

جب اُمت نے قربانی دینی ختم کر دی تو وہ امامت و قیادت سے محروم ہوگئی۔ آج صورتِ حال یہ ہے کہ آدمی ہر کام کے لیے قربانی دے سکتا ہے، قومیں قربانی دے رہی ہیں، جماعتیں قربانی دے رہی ہیں، لیکن اللہ کے دین کے لیے قربانی دینے والا کوئی نظر نہیں آتا۔ ایسے افراد کو دیکھنے کے لیے آنکھیں ترس رہی ہیں جو اللہ کے دین کے لیے قربانی دیں۔ وقت کی، صلاحیت کی، مال کی، توانائی کی، جو اللہ کے دین کے غلبہ و سربلندی کے لیے اپنی صلاحتیں لگا دیں۔ اللہ نے تو وعدہ کیا ہے کہ آزمائشوں اور قربانیوں کے بعد وہ افراد اور اقوام کو امامت کے مقام پر پہنچاتا ہے۔ اگر آپ چاہتے ہیں — اور کون ہے جو نہیں چاہتا — کہ آپ کو پھر دنیا میں امامت کا مقام حاصل ہو، آپ آگے ہوں اور دنیا آپ کے پیچھے چلے، آپ رہ نما ہوں اور دنیا آپ سے رہ نمائی حاصل کرے، تو ضروری ہے کہ آپ نمونہ پیش کریں قربانی کا، اللہ کے دین کے لیے جینے اور مرنے کا۔ یہی سبق نبی ﷺ کو بھی دیا گیا تھا۔ آپؐ سے کہا گیا تھا:

[۱] صحیح بخاری، کتاب الجنائز، ۱۳۶۷؛ صحیح مسلم، کتاب الجنائز، ۲۲۰۰،
۲۷۴

قُلْ إِنَّنِيْ هَدٰنِيْ رَبِّيْ إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ دِيْناً قِيَماً مِّلَّةَ إِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفاً وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (الانعام:۱۶۱)

اے پیغمبرﷺ ، آپ یہ اعلان کر دیجیے کہ میرے رب نے مجھے سیدھا راستہ دکھایا ہے۔ سیدھا دین، وہ دین جسے ابراہیم نے اختیار کیا تھا، اس ابراہیم نے جو ساری دنیا سے کٹ کر اللہ کے لیے یکسو ہو گیا تھا اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھا۔

آپؐ سے کہا گیا تھا کہ اعلان کر دیں:

قُلْ إِنَّ صَلاَتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. لاَ شَرِيْكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَاْ أَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ (الانعام:۱۶۲-۱۶۳)

کہو میری نماز، میری قربانی، میرا مرنا اور میرا جینا سب اللہ رب العالمین کے لیے ہے، کوئی دوسرا اس کا شریک نہیں، اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور سب سے پہلے میں اس کے آگے سر جھکا رہا ہوں۔

جو شخص حقیقی معنٰی میں قائد اور رہنما ہو اُسے چاہیے کہ وہ لوگوں سے کہے کہ اگر قربانی کی بات کرتے ہو تو دیکھو میں سب سے پہلے قربانی دینے والا ہوں۔ ہر پیغمبر یہی کہہ کر دنیا کے سامنے آتا ہے:

وَأَنَاْ أَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ (الانعام:۱۶۳)

میں سب سے پہلے اللہ کے سامنے اپنا سر جھکانے والا ہوں۔

اللہ کی رحمت، اس کی عنایت اور اس کے وعدے ہمارے منتظر ہیں، لیکن اس نے یہ شرط لگا دی ہے کہ ہم کو امامت و قیادت اس وقت حاصل ہو گی جب ہم اس کے دین کے لیے ہر طرح کی قربانی دینے کے لیے تیار ہو جائیں گے۔

☆☆☆

کارکنانِ ادارۂ تحقیق کی بعض تصانیف

جو مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز سے شائع ہوئیں

۱-	مومنانہ زندگی کے اوصاف	مولانا سلطان احمد اصلاحی	-/۵۰
۲-	اسلام اور آزادئ فکر و عمل	،،	-/۳۵
۳-	کم سنی کی شادی اور اسلام	،،	-/۷
۴-	بچوں کی مزدوری اور اسلام	،،	-/۵
۵-	بندھوا مزدوری اور اسلام	،،	-/۳
۶-	دعوت دین کے علمی تقاضے (ترجمہ)	،،	-۴۰
۷-	قرآن اور سائنس (ترجمہ)	،،	-/۲۰
۸-	انسانی معاشرہ اسلام کے سایے میں (ترجمہ)	،،	-/۲۰
۹-	حضرت ابراہیم علیہ السلام	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	-/۶۰
۱۰-	حقائق اسلام- بعض اعتراضات کا جائزہ	،،	-/۵۰
۱۱-	کفر اور کافر قرآن کی روشنی میں	،،	-/۲۰
۱۲-	قرآن کریم کا اعجاز بیان (ترجمہ)	،،	-/۷۵
۱۳-	سیرت رسول- دروس اور نصائح (ترجمہ)	،،	-/۱۶۰
۱۴-	عہد نبوی کا مدنی معاشرہ (ترجمہ)	،،	-/۱۶۰
۱۵-	اسلام اور مغرب کی کش مکش (ترجمہ)	،،	-/۷۵
۱۶-	علم تفسیر- چند بنیادی مسائل (ترجمہ)	،،	-/۴
۱۷-	جرائم اور اسلام	مولانا محمد جرجیس کریمی	-/۸۵
۱۸-	مسلمانوں کی حقیقی تصویر	،،	-/۳۵

ملنے کے پتے

ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی، پوسٹ بکس نمبر: ۹۳، علی گڑھ-۲

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی- ۲۵